© rasailojaraid.com

حاکم کا تقرر اور اس کے اختیارات

(اسلامی اصولوں اور مسلم روایات کی روشنی میں)

عامر حنیف راجہ*

Religion Islam, being a complete code of life, describes logical solutions to the problems of human beings in general and Muslims of the world in particular. As one of the most important issues at the state level is the appointment of its chief executive and his power and function of administering the state, the present research paper highlights Islamic principles and Muslim traditions of appointing ruler of a state and his powers and functions of state management. It draws a historical sketch of Muslim society that how in the past Islamic principles and Muslim traditions in this respect have been applied for the welfare of state and society.

اسلام کی تاریخ میں حاکم یا خلیفہ کا تقرر وہ پہلا مسئلہ ہے جس پر مسلمانوں کے مابین نزاع وقوع پذیر ہوا۔ اسلام کا نظریہ حکومت و سیاست اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت سے مزین ہے لیکن حاکم کے تقرر اور اس کے اختیارات کے بارے میں صرف رہنما اصول ملتے ہیں اس لئے یہ ایک وضاحت طلب مسئلہ ہے۔ تقرر کا معاملہ سنت رسول ﷺ سے اس لئے مفقود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی کا تقرر نہیں کیا (سنی نقطہ نظر کے حوالے سے) جبکہ اختیارات کا معاملہ اس لحاظ سے حل طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فیصلہ وحی الٰہی کا مصداق تھا جس کا متحمل بعد کا کوئی حکمران نہیں ہوسکتا تھا یعنی اس کے فیصلے میں غلطی کا امکان موجود تھا اور براہِ راست اصلاح کے لئے وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع تھا۔ زیر نظر مقالہ میں ہم اس نکتہ پر توجہ مرکوز کریں گے کہ خلیفہ یا حاکم کے تقرر اور اس

---

* گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اصغر مال، راولپنڈی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اختیارات کے بارے میں نص کے لوازمات کیا ہیں اور مسلمانوں کا اس سلسلہ میں طرزِ عمل کیا رہا، نیز جدید طرز ہائے حکومت سے اسلامی اصولوں اور ازمنہ وسطیٰ کی اسلامی سیاست کا کیا تقابل ہے۔

خلیفہ کا مفہوم

اسلام کے نظامِ حکمرانی کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلافت کا مادہ 'خ ل ف' سے ہے جس کے لغوی معنی نیابت یا جانشینی کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کے دو تصور پائے جاتے ہیں جو مختلف تو ہیں لیکن باہم متصادم نہیں۔ اس سلسلہ میں غالب تصور یہ ہے کہ خلافت سے مراد رسول ﷺ کی نیابت ہے۔ [۱] لیکن معنوی اور اصطلاحی دونوں اعتبار سے یہ معاملہ ابو بکرؓ تک محدود ہے کیونکہ عمرؓ اپنے آپ کو خلیفۃ الرسول کہا کرتے تھے کیونکہ نیابت انہیں رسول ﷺ کی طرف سے نہیں ملی تھی۔ لیکن طوالت کے باعث اس طرز کو جاری رکھنا ممکن نہ تھا لہٰذا مختلف وجوہات کی بنا پر امیر المومنین کی اصطلاح استعمال میں لائی گئی [۲] جو تقرری کی کسی بھی صورت میں قابل عمل تھی۔ یہ روایت اپنے صحیح معنوں میں بنی امیہ کے عہد تک رائج رہی اور اس کے بعد اس کی حیثیت ایک لقب کی سی رہ گئی جو خلفاء کو مخاطب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ خلیفہ کی شرعی حیثیت کو خلیفۃ الرسول سے، جو کہ ماقبل میں صرف ابوبکرؓ پر صادق آتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربت کے باعث جواز بخشا۔ [۳] یہ نظریہ عباسیوں نے اپنایا۔ اس سلسلہ میں احادیث کو وضع کرنے کا کام بھی کیا گیا۔ [۴] علماء کا طبقہ اس سلسلہ میں متفرق رہا اور ان میں سے ایک جماعت نے عباسیوں کے اس دعویٰ کو درخورِ اعتنا نہ جانا۔ [۵] جبکہ اہل تشیع نے امام برحق کے لئے خلیفۃ اللہ ہونے کا تصور وہی لیا جو کہ رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ امام اللہ کی طرف سے براہ راست ایک نص کے ذریعے مقرر کردہ ہے۔ [۶]

یہاں تک معاملہ ہے خلیفہ کے وجود کا تو اس سلسلہ میں مختلف روایات سے ایک حکمران کا وجود واضح ہوتا ہے اور وہ مبنی بر شریعت ٹھہرتا ہے۔ وہ کیا دلائل ہیں جن کی بنا پر اسلام میں حکمرانی کو مبنی بر عقل ٹھہراتے ہیں [۷] اس پر بحث کئے بغیر ہم خلافت کو وجوبی کی بجائے افادی تسلیم کر بھی لیں تو بھی ایک فرمانروا کے بغیر معاشرہ ایک مفروضہ ہے جس کی حدود زمانہ تاریخ سے باہر ہیں۔ [۸] بفرض محال اس کا وجود تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے لوٹانے کا کوئی امکان موجود نہیں۔ لہٰذا اقتدارِاعلیٰ وہ کسی ادارے کے پاس ہو یا فرد کے پاس، ناگزیر ہے اور بنیادی مسئلہ اس کے اصول وقواعد کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت کے قیام کا تعین -- اصول کیا ہے ؟

اب جاننا یہ ہے کہ خلافت کے قیام کے تعین کا اصول کیا ہے اور اس اصول نے اپنی شکل کس طرح سے اختیار کی ہے نیز نص سے اس کا کس قدر تعلق ہے۔ اسلام میں ہر طرح کے اصول وقواعد کا استنباط نص سے کیا جاتا ہے لیکن بیشتر معاملات میں ان راویات کے دھارے بھی ان میں شامل ہوجاتے جو مختلف صورت احوال کے پیش نظر قائم ہوگئی تھی۔ خلافت کے معاملے میں ان روایات کا غلبہ کچھ زیادہ نظر آتا ہے کیونکہ اصول وقواعد کے انضباط کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کی رائے زنی محدود نظر آتی ہے حالانکہ خلافت کا مسئلہ واحد اختلاف ہے جس نے صحابہؓ کے درمیان نزاع کی صورت پیدا کردی۔ صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل کی توجیہہ اس طرح سے پیش کی جاسکتی ہے کہ اسلام میں سیاست دین سے الگ نہیں لیکن جب کوئی سیاست میں ہے تو یا تو وہ کسی عہدے پر فائز ہے اور اگر نزاع پیش آجائے تو کسی عہدے کی کشمکش میں ہے اور یہ چیز زہد دنیا سے لگا نہیں کھاتی جس کی طرف بیشتر صحابہؓ کا رجحان تھا۔ البتہ عمرؓ اس معاملہ میں استثنائی صورت ہیں جنہوں نے زہد دنیا کے تقاضوں کو نبھا کر ایک کامیاب حکومت کی۔ سیاست کو دین کے ساتھ جس قدر رسول ﷺ نے بیان کر دیا تھا یا کر دکھایا تھا صحابہؓ نے اسی کو کافی سمجھا ہوگا، نیز یہ کہ صحابہؓ جس طرح جہاد کو عبادت سمجھ کے کرتے تھے سیاست کے متعلق ان کا نقطہ نظر یہ نہ تھا۔

اس کا مظہر سقیفہ بنی ساعدہ کی انتخابی بحث ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کا اولین مسئلہ ان کا اس منصب کے حوالے سے استحقاق تھا جس کے متعلق حدیثِ نبوی میں یہ وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے مامور فرمایا تھا جس سے بعد میں یہ تاثر زور پکڑ گیا کہ ایسا کرنا حضرت ابوبکرؓ کی امامتِ عامہ کی جانب ایک اشارہ تھا۔ علماء کا قول ہے''جن کو نبی ﷺ نے ہمارے دینی امور کے لئے پسند فرمایا۔ کیا ہم انہیں اپنے دنیوی امور کے لئے منتخب نہ کریں؟ ''۔ مگر آنحضرت ﷺ کے متذکرہ الصدر ارشاد سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، مزید براں سقیفہ بنی ساعدہ کے علاوہ نے یہ دلیل کسی نے پیش نہیں کی۔ ۹ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ امامتِ صلواۃ اور خلافت وامارت کو یکساں تصور نہیں کرتے تھے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر آپ ﷺ کا اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہوتا تو اس مسئلہ میں قطعی طور پر اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصول وقواعد مرتب نہ کرنے کا یہ جمود تابعین پر بھی طاری رہا اورابتدائی مسلم فقہا میں سے کسی نے بھی خلافت کے اصول و قواعد منضبط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ قاضی ابو یوسف نے اسے اپنی کتاب الخراج میں جگہ دی لیکن وہ مشیت ایزدی کا پہلو واضح کرنے تک محدود رہے۔ [۱۰] سب سے پہلے الماوردی نے خلافت کے اصول وقواعد پر روشنی ڈالی لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب خلیفہ اپنی طاقت کھو چکا تھا اور خلافت کی حیثیت ایک رسمی ادارے کی سی رہ گئی تھی۔ [۱۱] اس کام کو روایتی انداز میں غزالی اور نظام الملک نے جاری رکھا جبکہ ابن خلدون کے کام میں قدرے جدت اور اصول کی کارفرمائی پائی جاتی ہے۔

بہر حال ان مصنفین کے ہاں قدرے مشترک ان تاریخی کوائف کو اصول کی شکل دینا تھا جو مختلف خلفا، خاص طور پر خلفائے راشدین کے تقرر سے مربوط تھے اور ان کی تفسیر سے اپنے اپنے عہد کی صورت حال، جس میں کہ واقعی مقتدر اعلیٰ سلطان تھا، کو جواز بھی مہیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہونا تھا کہ مرتب ہونے والے اصول و قواعد پر غلبہ نص کی بجائے روایات کو ہوا۔ ماضی قریب میں شاہ ولی اللہؒ اس موضوع پر ایک مکمل تصنیف نص کرنے کے باوجود کوئی نیا حل پیش کرنے سے قاصر رہے۔ جبکہ عہد حاضر کے قلم آزماؤں نے مغرب کے متوازن نظام سے متاثر ہوکر خلافت کو جمہوریت سے خلط ملط کردیا۔ یہ طرز عمل نو آبادیاتی نظام کے عہد سے جاری و ساری ہے۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر خلافت کے قیام کے تعین میں قدیم و جدید نظریات کو اصول قرار دینے میں تامل ہے۔

قرآن وحدیث کے رہنما اصول

حاکم کے تقرر اور اختیارات کے حوالے سے اب ہم ان اصولوں کا جائزہ لیتے ہیں جونص میں وارد ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح کرتے چلیں کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ میں نواہی کا مسئلہ تو کافی واضح ہوتا ہے کہ ایک چیز سے منع کردیا گیا لٰہذا عام حالات میں اسے کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن اوامر کے معاملہ کوسفارشات کے زمرے میں لاکر اصول سے خارج کردیا جاتا ہے۔ لٰہذا ذیل میں جو آیات یا احادیث ہم پیش کریں گے اگر ان کی نوعیت وجوبی کے بجائے افادی بھی تسلیم کرلی جائے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اطلاق لازمی نہیں تو پسندیدہ ضرور ہے لٰہذا ہم اسے اسلامی نظریہ حکومت کے اصول و قواعد کا درجہ دے سکتے ہیں۔

نص: کھود کر پوچھنا، چھان بین کرنا، قرآن پاک کی وہ آیات جو صاف اور صریح ہوں۔ وہ کلام جو واضح اور صاف ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلیت کا علم اور قوت سے مشروط ہونا

قرآن میں ایک مقام پر اس چیز کو واضح کیا گیا ہے کہ حکمرانی اس کو لائق ہے جو صفات حسنہ میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو، یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دولت کی بنا پر حکومت کا بطلان بھی وارد ہوا۔ یہ بیان بنی اسرائیل کا ہے جب جالوت کا مقابلہ کرنے کے لئے بنی اسرائیل نے نبی شموئیلؑ سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کو کہا تو حضرت شموئیل نے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس وقت قوم نے اعتراض کیا کہ اس سے زیادہ تو بادشاہت کے ہم حقدار ہیں کیونکہ اس کو مالی کشادگی حاصل نہیں ہے۔ اس پر نبیؑ نے فرمایا، ''اللہ نے اس کو تم پر مقرر فرمایا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے''۔ (البقرہ۔ ۲۴۶،۴۷)

ان آیات سے ایسی بادشاہت کا جواز مہیا ہوتا ہے جو علم اور قوت سے مرکب ہو۔ اسی امر کو حضرت داوٗدؑ کے ضمن میں بھی مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے (البقرہ۔ ۲۵۱، ص۔ ۲۰، ۲۶)۔ یہاں علم کی بنیاد کتاب اللہ ہے جس سے حکمت اور تدبر کے چشمے پھوٹتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔

چند ایک استثنائی صورتوں کے سوا نویں عباسی خلیفہ تک (جس کے بعد خلافت اضمحلال کا شکار ہوگئی) مسلم حکمران ان شرائط سے بخوبی متصف نظر آتے ہیں۔ ان کے بقیہ اعمال کا معاملہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ ازمنہ وسطیٰ کی سلطنت بھی اس صورت حال سے یکسر خالی نہیں رہی۔ مسلم عہد میں ممالیک* کی حکومتیں جہاں کہیں بھی قائم ہوئیں ان کا بنیادی وصف وقت کی صورتِ حال کے پیش نظر ایک اہل حکمران کا انتخاب ہوا کرتا تھا۔ اہلیت کا یہی اصول عین الجالوت میں تاتاریوں کی پہلی ہزیمت کا باعث بنا جب مصر کے ممالیک نے سلطان قطز کی صورت میں ایک قابل جرنیل اپنے لئے منتخب کیا۔ ہندوستان کا تاتاریوں سے بچ رہنا بھی اسی چیز کا مظہر تھا۔ جبکہ جن حکومتوں میں اہلیت کو چھوڑ کر موروثیت کو اپنایا گیا، مسلم سلطنت کے زوال کی تمام تر ذمہ داری انہی کے سر رہی۔ ہندوستان کے مغل، ایران کے صفوی اور ایشیائے کوچک کے عثمانی ترک مسلمانوں کے زوال کے تازہ نشانات ہیں۔

---

* مملوک کی جمع غلام، نوکر، ملازم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہدے کا طلب کرنا

تقرری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد بڑا واضح ہے جسے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے کہ ''جو شخص حکومت کی درخواست کرے یا حرص کرے ہم اس کو ولایت نہیں دیتے''۔۱۲ خلافت راشدہ کا معاملہ تو کما حقہ اس ارشاد کے مطابق تھا لیکن اس کے بعد کی صورت حال میں بھی اس کا جواز بہر حال موجود تھا کہ بیشتر صورتوں میں ولی عہد کو ولایت تفویض کی جاتی تھی جس سے وہ درخواست کے زمرے سے خارج ہو جاتا تھا البتہ نیت میں طمع کے معاملہ کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس فکری بحث سے قطع نظر ازمنہ وسطیٰ کی مسلم سیاست میں عملی طور پر ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جنہیں حکومت خود سے پیش کی گئی۔ اس سلسلے کی ایک مثال غیاث الدین تغلق کی ہے جسے دہلی کے امراء نے حکومت سنبھالنے کو کہا۔۱۳

ازمنہ وسطیٰ کی مسلم سیاست بے اصول سہی لیکن اس میں تقرری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل کے امکان موجود تھے لیکن عہد حاضر کے جمہوری نظام میں ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ الیکشن میں حصہ لینے والے کو اپنی درخواست بہر حال جمع کروانی ہوتی ہے کہ وہ حکومت میں آنے کا خواہاں ہے۔ اگلی بات یہ ہے کہ حکومت (کابینہ) میں کوئی امیدوار تب ہی شامل ہوگا جب اس کی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گی اور یہ بات ازمنہ وسطیٰ کی سیاست سے مماثل ہے کہ طاقت پکڑ جانے والے گروہ کے افراد ہی حکومتی عہدوں پر قابض ہوا کرتے تھے۔ الیکشن کی افادیت کیا ہے؟ اس سے بحث نہیں کیونکہ ہماری توجہ اصول پر مرکوز ہے جو بہر حال انتخاب کے موجودہ طرز کا رد کرتا ہے۔

جہاں تک معاملہ ہے اس اصول کے قابل عمل ہونے کا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اصول کو بیان کرنے میں رسول اللہ ﷺ کا انداز قطعی ہے سفارشی نہیں۔ لیکن اس حدیث کو اصول کے طور پر قائم نہیں کیا جاسکا حالانکہ یہ ممکن العمل تھا بھی اور ہے بھی۔ البتہ حکومت کے حصول کے بعد کسی حکمران سے حکم کا نفاذ الگ معاملہ ہے جو حکومت سے متعلق دوسرے اصولوں یا سفارشات کی تعمیل کا مظہر ہوسکتا ہے۔

خلیفہ کا قریشی نسب ہونا

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ امر (خلافت) قریش میں رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا جہاں تک کہ دنیا میں دو آدمی بھی باقی ہیں''۔۱۴

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس شرط سے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ اس روایت کی صحت سے ،جس پر یہ شرط مبنی ہے،انکار نہیں کرتے ،لیکن کہتے ہیں،'' یہ محض ایک سفارش تھی جو حالات ِ وقت کی بنا پر کی گئی۔ ان کا موقف ہے کہ جب اسلام دنیا میں آیا تو اس وقت قبیلہ قریش عرب کے تمام قبیلوں میں سے سب سے ترقی یافتہ اورصاحب ِ اقتدار تھا اور جب آنحضرتﷺ نے یہ سفارش یا یہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمانوں کی دینی ودنیوی پیشوائی آپﷺ کے قبیلہ کے افراد تک محدود رہے تو آپﷺ کے پیش نظر وہ حالات تھے جو آپﷺ کے فوراًبعد رونما ہونے والے تھے اور آپﷺ کا یہ مقصد نہ تھا کہ جانشینی کے متعلق کوئی لگابندھا قاعدہ نافذکردیں''۔ ۱۵

ابن خلدون کی توجیہہ بعد کی صورت حال کا جواز ہے حالانکہ رسول اللہﷺ کاانداز قطعی ہے، سفارشی نہیں۔ چونکہ اس روایت کا دوسرا رخ ایک پیشین گوئی کا بھی ہے، لہٰذا اس پر مزید بحث ہم آئندہ کریں گے۔

نظریہ امامت کی حیثیت

اس بات کا تعین کرنا بہت مشکل ہے کہ علویوں کا خلافت کے بارے میں نقطہ نظر ،جو کہ اب ان کا اصولِ دین ہے،باقاعدہ طور پر کب معرضِ وجود میں آیا یا کب مرتب کیا گیا ؟یہ بات طے ہے کہ حضرت علیؓ کے طرزِعمل سے گو یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ خلافت کو بنی ہاشم کا حق تصور کرتے ہوں ۱۶ لیکن ان کی کسی تقریر یا تحریر سے یہ بات پایہ ثبوت کونہیں پہنچتی۔ اگر اس معاملہ میں رسول اللہﷺ کی کوئی وصیت موجودہوتی،خاص طورپراعلان غدیرکے حوالے سے، تو اپنی خلافت کے نزاع پر وہ اسے ضرور پیش کرتے۔ ۱۷ بعض آراء نظریہ امامت کی ابتدا کو امام جعفر صادقؒ سے منسوب کرتی ہیں ۱۸ لیکن حقائق اس کی نفی کرتے ہیں۔ وہ اس طرح سے کہ انہوں نے اپنے عہد کی علوی بغاوت کی کسی قسم کی کوئی حمایت نہ کی حالانکہ امام ابو حنیفہ اس سلسلے میں نفس ذکیہ کے حامی تھے۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس بنائے دعوٰی کی شروعات نفس ذکیہ کی بغاوت سے ہوئیں جبکہ اپنی مکمل شکل میں اس نظریہ کا ظہور اس سے بھی بعد کی پیداوار ہے کیونکہ ابو جعفرمنصو ر کے نام خط میں نفس ذکیہ نے اس بات کا اظہارتو ضرور کیا کہ علیؓ رسولﷺ کے وصی اور امام تھے لیکن جو دلائل علوی نقطہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی کا ذکر محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا بلکہ اپنے خطوط میں رسول ﷺ کیساتھ قرابت داری (بنی عباس کے مقابلہ میں) کو ثابت کرنے پر ہی تمام زور دیا۔ ۱۹

اس کے باوجود اگر اس نظریہ کی سیادت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی شیعہ کے مختلف گروہ اس کی جزئیات میں متفق نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں خود ائمہ علوئین کے ہاتھوں ہی اس نظریہ کی بارہا تردید ہوئی ہے۔ سب سے پہلے امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوکر اس نظریہ کی نص نہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ امام حسینؓ کے سوا ائمہ اثنا عشریہ نے اسی طرزِ عمل کی پیروی کی اور اپنے اوپر دوسروں کی حکومت کو جائز متصور کیا۔ اس سلسلہ میں امام باقرؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ ایسا مجبوراً (تقیہ کا اصول) نہیں کرتے تھے۔ ۲۰ ائمہ اثنا عشریہ نے خروج سے کلی کنارہ کشی اختیار کی جبکہ زیدیہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے کے باوجود حکومت کے خلاف بغاوت کو امام کا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ کتاب وسنت سے انحراف پر وہ خلیفہ کی برطرفی کے قائل تھے اور حکمران کے تقرر کو کسی نص کا نتیجہ قرار نہیں دیتے تھے۔ ۲۱ اسماعیلیہ کا معاملہ مختلف پیچیدگیاں پیدا کردیتا ہے۔ ۲۲ دلچسپ امر یہ ہے کہ علویوں میں ایسے دبستان بھی موجود رہے ہیں جو امویوں اور عباسیوں کی حکومت کو ہر لحاظ سے جائز خیال کرتے تھے۔ انہیں مرجیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو زیدیہ کی ایک شاخ تھے۔ ۲۳

موروثیت -- بادشاہت کے حوالے سے خصوصی جائزہ

مسلم خلافت میں موروثیت کا عنصر رواج پا گیا اور یہی وہ پہلو ہے جس سے خلافت راشدہ کے بعد کی مسلم سلطنت پر بادشاہت کا گمان کیا جاتا ہے۔ اولاً ہم اصول کی بات کرتے ہیں تو وہاں موروثیت کی ممانعت موجود نہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل آیت قابل غور ہے:

یداود انا جعلنک خلیفة فی الارض فاحکمو ا بین الناس بالحق

ترجمہ: اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے اس لئے لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔ (ص۔ ۲۶)

حضرت داؤدؑ اور ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ پیغمبر ہونے کے ساتھ بادشاہ بھی تھے اور اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس بادشاہت کو اپنی خلافت سے مرکب کیا ہے۔ علاوہ ازیں خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے تو موروثیت کی نفی ضرور ہوتی ہے لیکن ان کی فکر میں یہ بات موجود نہ تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی مثال عمرؓ کے بعد جانشینی کے مسئلہ کی ہے۔ بوقت شہادت جب عبدالرحمٰن بن عوف نے عمرؓ کے بیٹے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے عبداللہ کی خام بصیرت کی طرف اشارہ کیا۔[۲۴] اگر موروثیت امر مانع ہوتا تو اول تو عبدالرحمٰن بن عوف ہی ایسی بات نہ کرتے اور اگر انہیں اس قاعدہ کا علم نہ تھا تو عمرؓ انہیں ٹوک دیتے کہ وہ ایک مانع امر کا مشورہ کیوں دے رہے ہیں۔ دوسری مثال حضرت علیؓ کی جانشینی کی ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ حسنؓ کو خلیفہ بنایا جائے؟ تو انہوں نے کہا ''نہ میں اس سے منع کرتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں''۔ [۲۵] اس طرح سے انہوں نے موروثیت کی نفی نہیں کی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ موروثیت کو بادشاہت سے کس قدر تعلق ہے۔ بادشاہت کو موروثیت سے تعبیر کرنا یورپی نظریہ ہے [۲۶] جبکہ بادشاہت کا قدیم اور بنیادی تصور مقدس طاقتوں کی نمائندگی اور رہنمائی کے ساتھ منسلک ہے۔ [۲۷] یورپ میں رومن ایمپائر کے عہد میں اس نوعیت میں تدریجاً تبدیلی آئی، جس کی وجوہات ابہام میں ہیں[۲۸] اور اس کے بعد بادشاہت کو موروثیت سے تعبیر کیا جانے لگا جبکہ بادشاہ کے الٰہی اختیارات کلیسا کو حاصل ہوگئے، لیکن یہ تبدیلی یورپ کی حد تک تھی۔ ایشیا میں عہد بہ عہد بادشاہت کا تصور وہی رہا۔ [۲۹] مسلم سلطنت میں اس کے اثرات ایرانیوں سے وارد ہوئے۔ ایرانی چونکہ بنی عباس کے عہد میں کاروبار سلطنت میں شریک ہوئے، اس لئے عباسیوں نے بالواسطہ طور پر اپنے نائبین رسول ہونے کا دعوٰی کیا۔ علویوں کے ہاں چونکہ ایرانی عنصر پوری طرح کارفرما تھا اس لئے انہوں نے براہ راست نائبین رسول ہونے کا دعوٰی کیا جو اصل میں بادشاہت کا مماثل تھا۔

موروثیت میں قباحت یہ ہے کہ نااہل جانشینوں کا انتظام عواقب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کہ ازمنہ وسطٰی کی مسلم سلطنت کے زوال کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ لیکن اصل الزام ان مدبر حکمرانوں کے سر ہے جنھوں نے ان عواقب کو مسدود کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا۔ اصول میں بہرحال اس کی کوئی ممانعت ثابت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقرر اور اختیارات میں مشورہ کی حیثیت

آیت امرھم شوریٰ بینھم میں معاملات میں مشورے کو مومنوں کی ایک خاصیت کہا گیا ہے اور یہی وہ پہلو ہے جس کے باعث اسلامی طرزِ حکومت پر جمہوریت کا گمان کیا جاتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس شوریٰ کی نوعیت نمایاں نہیں ہے۔ اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کہ شوریٰ کن عناصر پر مشتمل ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں جو اصحاب مقرب تھے وہ آپ کے وصال کے بعد بھی معتبر تسلیم کئے جاتے تھے اور عملاً مشاورت انہی کے مابین ہوتی تھی۔ پہلے تین خلفاء کے تقرر میں مشورے کو ایک نمایاں مقام حاصل رہا لیکن حضرت علیؓ کے معاملے میں مشورہ اختلاف کا شکار ہوگیا۔

حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ ان کی بیعت منعقد ہوگئی ہے اور مدینہ جو شہرِ رسول ﷺ اور مسکنِ صحابہؓ ہے، وہاں کے باشندے ان پر مجتمع ہوچکے ہیں، اس لئے بیعت سے پیچھے رہنے والوں پر اب بیعت ضروری ہے۔ دوسرے اصحابؓ کا خیال تھا کہ جو صحابہؓ اہل حل وعقد ہیں وہ بیعت علیؓ کے وقت مدینہ کے اندر موجود نہ تھے یا ان کی تعداد قلیل تھی۔ ان کے بغیر یا ان کی قلیل تعداد سے بیعت منعقد نہیں ہوسکتی، اس لئے بیعت سرے سے منعقد نہیں ہوئی۔ کیونکہ جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی اختیار کی وہ عام حیثیت کے مالک نہ تھے۔ ان میں سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، ابن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہ بن مظعونؓ، ابو سعید الخدریؓ، کعب بن مالکؓ، جیسی شخصیات شامل تھیں۔ ۳۰

مشورے کا یہ اختلاف ایک دفعہ شروع ہوا تو پھر کبھی ختم نہ ہوسکا لیکن مشورے کا یہ طرز یہاں ختم نہیں ہوگیا، اس روایت کو امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انہوں نے مختلف بلاد اسلامیہ سے وفود طلب کئے جنہوں نے ولی عہدی کے سلسلے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا جس میں موافقانہ اور مخالفانہ دونوں طرح کی تقریریں کی گئیں۔ ۳۱ اگر امیر معاویہؓ نے تمام امت کی مرضی کے خلاف یہ اقدام کرنا تھا تو وفود طلب کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے بلکہ اس سے تو مسئلہ مزید گھمبیر ہو جاتا ہے کہ سب کی مخالفانہ رائے کے بعد بھی ان پر حکم ٹھونس دیا جائے۔

اس کے بعد اس مشورے کا مظاہرہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی نامزدگی میں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے بعد اختلاف اس حد تک پروان چڑھ چکا تھا کہ خود حضرت عمرؓ بھی اس اصول کو جاری نہ رکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے بھی مشورے کے خلاف قرار دینا آسان بات نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شوریٰ کی نوعیت واضح نہ تھی لہٰذا ہر حکمران کے اعوان وانصار اس کی شوریٰ قرار پائے۔ ازمنہ وسطیٰ کی مسلم حکومتیں جنہیں ہم ملوکیت یا فرد واحد کی حکمرانی سے تعبیر کرتے ہیں، میں یہی طرز رائج تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی جاننا چاہئے کہ مطلق فرد واحد کی حکومت ایک قانونی مفروضہ ہے اور کاروبار سلطنت عمائدین کے تعاون سے ہی چلتا تھا۔ ۳۲ اس طرز کو مقتدر سنی نظریہ کی حمایت حاصل تھی۔ ۳۳ یہ اعتراض کہ ان حکومتوں میں معاشرے کے تمام طبقات کو نمائندگی حاصل نہیں ہوتی تھی دیگر صورت احوال کے پیش نظر کھوکھلا ہے۔ کیونکہ یہ اعتراض خلافت راشدہ پر بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان کی شوریٰ میں صرف قریشی اور انصاری عنصر کارفرما تھا۔ عراق، مصر اور افریقہ کی نمائندگی مفقود تھی۔ اگر حضرت عثمانؓ پر اموی عنصر کی برتری کا الزام درست تسلیم کرلیا جائے تو یہ سلسلہ رکا نہیں کیونکہ حضرت علیؓ کے عہد میں ہاشمی عنصر عود آیا تھا اور اس طرح سے یہ معاملہ تقسیم در تقسیم ہوتا چلا گیا۔ یہ معاملہ آج بھی موجود ہے کہ کاروبار حکومت الیکشن جیتنے والی پارٹی چلاتی ہے جبکہ مخالفین اپوزیشن میں بیٹھتے ہیں۔

دوسرا پہلو اس مسئلہ کا یہ ہے کہ کیا حاکم کے لئے مشورہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے؟ اس سلسلے میں قرآن کی یہ آیت قابل غور ہے **وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين** (آل عمران۔ ۱۵۹) یہاں احساس ملاجلا ہے کہ مشورہ کا ذکر نمایاں ہے لیکن حاکم کے عزم کے سامنے اس کی حیثیت ثانوی نظر آتی ہے۔ موخرالذکر رویہ کا اثبات خلفائے راشدین کے عمل سے ملتا ہے۔ ابو بکر صدیقؓ نے اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی روانگی کا فیصلہ شوریٰ کی رائے کے بر خلاف کیا تھا۔ ۳۴ البتہ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے مشورہ کے مطابق فیصلہ کرنے کی روش ملتی ہے۔ غزوہ احد کے موقع پر شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ رسول اللہ ﷺ کی رائے کے مطابق نہ تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے اختیار کیا۔

حاکم کی اطاعت

اس سے قبل ہم مشورے کی وقعت کے متعلق کچھ بات کرچکے، اب ہم مزید دیکھتے ہیں کہ معاملات میں حاکم کی اپنی رائے کی کیا حیثیت ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کا اصول کچھ اس طرح سے ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یـاایھـا الذین امنوئاطیعو اللہ و اطیعواالرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شی ء فردوہ الی اللہ والرسولہ ان کنتم تومنون بااللہ والیوم الآخر ط ذلک خیر و احسن تاویلا ط (النساء. ۵۹)

اس آیت میں اطاعت کو مشروط کردیا گیا ہے۔ لٰہذا پہلے حکم کی طرف توجہ دیں تو حکمران کو مشورے سے کام لینا ضروری ہے اور دوسرا یہ کہ اسے سنت رسولﷺ کی پیروی بھی کرنی چاہئے کہ وہ مشورہ کے مطابق عمل بھی کرے۔ یہ اصول کی ایک سادہ شکل ہے۔ مذکورہ آیت تمام معاملات کا احاطہ کرتی ہے اور ہمارے پیش نظر معاملہ ہے حاکم کا تقرر اور اس کے اختیارات۔ پہلے معاملہ میں اس آیت کے حکم کو لاگو کرنا مشکل ہے جبکہ دوسرے معاملے میں تقریباً ناممکن ہے۔ اس طرح سے کہ تقرر کے وقت اگر مشورہ نہیں کیا گیا تو لوگ کسی دوسرے مرکز پر جمع ہوکر اس تقرری کو ناکام بھی بناسکتے ہیں۔ لیکن اختیارات کو اگر مشورے کے بغیر استعمال کیا گیا تو وہاں کوئی روک نہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ اپنی تقرری کے وقت سے اقامت دین کا فریضہ حاکم کے پاس ہے اور کسی معاملے میں نزاع کی صورت میں اسے اللہ اور اس کے رسولﷺ کی طرف لوٹانے کا مجاز بھی وہی ہے۔ لٰہذا اختیارات کا معاملہ حاکم کی صوابدید پر ہے۔

حاکم کی تقرری کا معاملہ جو کچھ بھی ہو ،اطاعت کا باقی معاملہ اس طرح سے ہوگا کہ ایسے دنیاوی معاملات جن میں قرآن وحدیث خاموش ہوں ان میں حاکم کی اطاعت کی جائے۔ اس رویے کی مزید وضاحت ان احادیث سے ہوتی ہے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے عہد اطاعت کر کے اس کوتوڑ دیا وہ قیامت کے دن اللہ کے روبرواس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کی گر دن میں کسی کی بیعت نہ ہوتو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' ۳۵

عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہﷺ کی بیعت کی کہ ہم سنیں گے اور تنگی وآسانی ،خوشی وناخوشی میں اطاعت کریں گے اور اگر ہم پر ترجیح دی جائے گی تو بھی اطاعت کریں گے اور ہم ان لوگوں سے امارت نہیں چھینیں گے جو ان پر قابض ہوں گے اور جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے۔ ۳۶

اس اصول کا رواج پا جانا مشکل تھا کیونکہ یہاں امر رعایا کی صوابدید پر تھا۔ تمام رعایا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے کو ایک نقطہ پر لے آنا قرون اولیٰ ہی میں مشکل ہوگیا تھا بعد کے زمانوں کا تو کیا کہنا۔

حاکم کا عزل

اس سے اگلی بحث حکمران کی معزولی کی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ شوریٰ باہم مشورہ سے حکمران کو اس کے عہدے سے الگ کردے اور دوسرا یہ کہ اس کے خلاف بغاوت کرکے اسے معزول کردیا جائے۔ اول صورت اصول کی رو سے کوئی امر مانع اپنے اندر نہیں رکھتی کیونکہ اللہ نے مشورہ کو مؤمنین کی خصوصیت قرار دیا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طریقہ سے اسے ثابت کیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ اصول بھی مسلم حکومت میں رواج نہ پاسکا کیونکہ اس کی وجہ جو واقعہ بنا اسے نظر انداز کردینا آسان نہ تھا۔ وہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں صحیح کام کئے یا غلط؛ یہ بات بحث سے متعلق نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ ان کی خلافت سے مطمئن نہ تھے اور اکابر صحابہؓ کی اس شورش پر خاموشی (گو اسے عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کا جواز بخش دیا جائے۔ ۳۷ باغیوں کی ہم نوائی کررہی تھی۔ اس سلسلہ میں اگر عثمانؓ اپنا منصب چھوڑ دیتے تو شاید معاملہ سلجھ جاتا اور اگر نہ بھی سلجھتا تو اس حد تک نہ الجھتا، جیسا کہ ان کی شہادت کے بعد پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ نے گورنران کی تبدیلی کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کو تسلیم کیا ۳۸ لیکن اپنی معزولی کے معاملہ پر وہ ایسا نہ کرسکے جس کی دو وجوہات پیش کی جاسکتی ہیں۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ محصوری کی حالت میں مجھ سے عثمانؓ نے کہا کہ مغیرہ بن اخنس کے مشورے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ میں نے عرض کی کہ انہوں نے آپؓ کو کس بات کا مشورہ دیا ہے۔ فرمایا 'یہ قوم میری معزولی چاہتی ہے، اگر میں مستعفی ہوگیا تو یہ مجھے چھوڑ دیں گے اور اگر میں مستعفی نہ ہوا تو مجھے قتل کردیں گے'۔ میں نے عرض کی کیا آپؓ نے یہ یقین کرلیا ہے کہ اگر مستعفی ہوجائیں تو ہمیشہ کے لئے دنیا میں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ فرمایا 'نہیں' میں نے پوچھا 'تو کیا وہ لوگ جنت و دوزخ کے مالک ہیں'، انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا 'آپؓ نے یہ بھی غور کیا ہے کہ اگر آپؓ مستعفی نہ ہوں گے تو وہ لوگ آپؓ کے قتل سے زیادہ کچھ کرسکیں گے'۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تو میں نے عرض کی 'پھر تو میں مناسب نہیں سمجھتا کہ آپؓ اسلام میں یہ طریقہ رائج کردیں کہ جب کوئی قوم اپنے امیر سے ناراض ہو تو وہ اس کو معزول کردے، آپؓ اس کرتے کو نہ اتاریئے جو آپؓ کو اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے رسولؐ نے پہنایا ہے'۔ ۳۹

دوسری روایت جو ابوسہلہ سے مروی ہے ،وہ قیس کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب یوم الدار (عثمانؓ کی شہادت کا دن) ہوا تو عثمانؓ سے کہا گیا کہ آپؓ جنگ کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر صابر ہوں۔'' ۴۰

یہ وجوہات جتنی بھی قوی ہوں مسئلہ کا حل بہر حال نہ تھیں۔ مسئلہ کے حل کے لئے دونوں میں سے ایک کو اپنانا ناگزیر تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کے مطابق ایسا ضرور ہوا کہ قوم کبھی کسی خلیفہ کو معزول نہ کرسکی لیکن قتل کا رستہ بہرحال ان کے پاس ہمیشہ موجود رہا اور بعد کے ادوار میں خلیفہ کا عزل اس کے قتل سے ملزوم ہوگیا۔ ۴۱

جہاں تک تعلق ہے بغاوت کا تو اصول اس کی ممانعت کرتا ہے کہ حکومت پر قابض لوگوں سے اسے بزور چھینا جائے۔ جن لوگوں نے بغاوت کی راہ کو اختیار کیا ان کا جواز اس حدیث کو ٹھہرایا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی برائی کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے، پھر زبان سے یا کم از کم دل میں برا ضرور جانے ۴۲ ان روایات کے تضاد کو ایک اور حدیث رفع کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ ۴۳ اگر بغاوت کی اجازت ہوتی تو اس جہاد کو مسلح جدوجہد کے ساتھ تعبیر کیا جاتا۔ لہٰذا برائی کو ہاتھ سے روکنے والی روایت سے بغاوت کا جواز نکالنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ ۴۴

حکمران کے خلاف بغاوت کا جواز ایک حدیث میں موجود ہے جو ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ اس وقت تک حکمران سے نہ لڑا جائے جب تک وہ معاشرے کے اندر صلوٰۃ کا نظام قائم رکھیں۔ ۴۵

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں

بعض اصولوں کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں پر بھی محمول کیا جاتا ہے، لیکن ان پیشین گوئیوں کی تعبیر اور تفسیر کا معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ اپنے نظریہ کی صداقت کے لئے ان کی تفسیر ایک عام شغل ہے۔ اس سلسلہ میں خلافت راشدہ کی مدت کا معاملہ پیش نظر ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا ''میرے بعد خلافت تیس سال ہے اور اس کے بعد بادشاہ ہوں گے'' ۴۶ یہ روایت اس معنی میں تمام حلقوں میں مستند تصور کی جاتی ہے، لیکن تنقیدی جائزہ جس کی بنیاد اقوال رسول ﷺ ہی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس روایت کی تفسیر کا معاملہ سادہ نہیں رہنے دیتا۔ اولین ثبوت تو اس کا خلیفہ کا قریشی النسب ہونے والے معاملہ سے ملتاہے کہ سرداری قریش میں رہے گی جب تک وہ دین وشریعت کو قائم رکھیں گے اور تاریخی طور پر ہم جانتے ہیں کہ عباسیوں کے نویں خلیفہ واثق باللہ تک عرب سلطنتِ اسلامیہ کے خودمختار حاکم رہے[47] جبکہ اندلس میں یہ صورتِ حال اس کے بعد تک بھی جاری رہی۔ جس سے (خلافت کے نسبی اصول کے تحت) ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مزعومہ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی خلفاء نے دین و شریعت کو قائم رکھا۔ ثانیاً یہ روایت بھی قابل غور ہے جو جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بارہ امیر ہوں گے اور یہ سب قریش میں سے ہوں گے"۔[48] علامہ سیوطی نے اس روایت کی ایک سے زیادہ توجیہات پیش کی ہیں۔ تیسرا نکتہ عمر بن عبدالعزیز کی حکمرانی کا ہے جس میں خلافت اپنے تمام مثالی اصولوں کے ساتھ کارفرما نظر آتی ہے لیکن یہ اس تیس سالہ عرصہ کے بعد کی بات ہے۔

دنیا کا نجات دہندہ -- مہدی موعود

خلافت کے ساتھ ساتھ اقوال رسول ﷺ میں ایک نجات دہندہ کی آمد کا تذکرہ بھی بڑے شدومد کے ساتھ پایا جاتا ہے اور اس ضمن میں آنے والی روایات اس قدر مختلف النوع ہیں کہ انہیں کسی ایک زمان ومکان پر منطبق کرنا آسان نظر نہیں آتا۔ یہ بحث لاحاصل ہے البتہ اس ضمن میں سید امیر علی کا ایک جامع تبصرہ اہمیت کا حامل ہے :

> مذاہب کا کوئی فلسفی مزاج طالب علم ضرور محسوس کرے گا کہ کیا شیعہ اور کیا سنی دونوں کے عقائد پرانے عقائد سے ایک عجیب وغریب مطابقت رکھتے ہیں۔ زرتشتیوں کے یہاں سلجوقی حکمرانوں کے جبر و تشدد نے اس عقیدے کو جنم دیا کہ ایک مبعوث من اللہ نجات دہندہ جس کا نام سوسیوش تھا، خراسان سے خروج کرے گا اور انہیں غیر ملکی حکمرانوں کے پنجہ ستم سے نجات دلائے گا۔ کچھ اسی قسم کے اسباب نے یہودیوں کے سینوں میں مسیحا کی آمد کی یہ تب وتاب امیدیں پیدا کردیں۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔ اس طرح سنیوں کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا نجات دہندہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ نجات دہندہ ایک مرتبہ آکے جاچکا ہے لیکن دوبارہ آئے گا۔ عیسائیوں کی طرح اثنا عشریہ امام مہدی کے ظہور ثانی کے منتظر ہیں جو دنیا کو شر اور ظلم سے پاک کردیں گے۔ جس دور میں امام مہدی کا تصور دو جدا جدا صورتوں میں ظہور پذیر ہوا، اس کے مظاہر ان مظاہر سے مشابہ تھے جو قدیم تر مذاہب کی تاریخ میں رونما ہوئے۔[49]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی نظام کی کامیابی کا انحصار

خلافت کے اصول و قواعد مسلم دنیا میں زیادہ تر رائج نہ ہوسکے اور اس طرح ایک عرصہ تک قائم رہنے کے بعد ازمنہ وسطیٰ کی مسلم سلطنت زوال پذیر ہوگئی اور یورپ کے نظام نے اس پر ایک برتری قائم کرلی۔ لہٰذا مغربی نظام سیاست و حکومت کو مثالی اور کامیاب قرار دیا جانے لگا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی بھی نظام لوگوں کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ اگر ایک اچھا معاشرہ وجود میں آجائے تو ایک کمتر اصولوں پر مبنی نظام بھی معاشرے کے معاملات میں توازن قائم کرسکتا ہے وگرنہ اعلیٰ سے اعلیٰ دستور بھی کاغذ پر لکھی تحریر سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

نظام کی کامیابی کے لئے دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں حالات کے تقاضوں کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال مغربی جمہوریت کی ہے جو یورپ میں جس قدر کامیاب ہے ہندوستان میں اسی قدر ناکام ثابت ہوئی۔ اس کی بنیادی وجوہات وہی ہیں جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اولاً ہندوستان کے لوگوں میں وہ علمی شعور نہیں جو یورپ کے معاشرے میں پایا جاتا ہے اور جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ ثانیاً ہندوستان کے طبقات میں مختلف حوالوں سے یکسانیت مفقود ہے جبکہ یورپ کے چھوٹے چھوٹے ملک اس خاصیت سے متصف ہیں۔ ۵۰

یہی معاملہ عہد بہ عہد اسلامی خلافت کا ہے کہ جو اثر صحابہؓ کے معاشرے کا تھا وہ بعد کے ادوار میں پایا جانا ممکن نہ تھا۔ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ہم یہاں حضرت علیؓ کا قول بھی نقل کرتے ہیں۔ واقعہ اس طرح سے ہے کہ ایک دفعہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ ''امیر المومنین! کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے آپؓ کی خلافت میں اختلاف کیا اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کیا۔ آپؓ نے جواب دیا ؛''ابو بکرؓ اور عمرؓ مجھ جیسے لوگوں پر والی ہوئے اور میں آج تم جیسے لوگوں پر والی بنا ہوں''۔ ۵۱

جہاں تک معاملہ ہے حالات کے تقاضوں کا، تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو سیاست کی وہ حالات سے مطابقت پر مبنی تھی ۵۲ شاید اسی وجہ سے انہوں نے سیاست کے اصولوں کو مرتب کردینا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔ خلافت راشدہ کا کامیاب دور حضرت عمرؓ کا ہے اور ان کے طرز عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھی یہی بات جھلکتی نظر آتی ہے۔ انہوں نے جن اصولوں پر خلافت کی عمارت اٹھائی وہ ان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کارگر رہے اور بعض تو مستقل طور پر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے لیکن انہی بنیادوں پر جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی عمارت اٹھائی تو وہ اسی وقت تک قائم رہ سکی جب تک وہ خود زندہ رہے۔ معاملہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی حکومت سے حاصل ہونے والے نتائج کو دوبارہ حاصل کرنا بعید از امکان نہ تھا لیکن اصل معاملہ حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کا تھا جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہی تبدیل ہوگئے تھے۔

اس سارے منظر سے ایک احساس اجاگر ہوتا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کی مسلم سیاست میں سقم کیونکر واقع ہوا حالانکہ اسلام کے اصول اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مسلمانوں کیلئے مشعل راہ تھی۔ لیکن ایسا ہرگز نہ تھا کہ مسلم سیاست اصولوں سے یکسر خالی تھی۔ اس کی مثال پیش کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم عہد حاضر کی صورت حال پر نظر ڈال لیں کہ جدید اور روشن خیال معاشروں میں اصول کی کارفرمائی کس قدر ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ ازمنہ وسطیٰ میں جس قدر خلافت کا تصور متنازعہ تھا اسی قدر دورحاضر میں جمہوریت کا تصور متنازعہ ہے۔[۵۳] علاوہ ازیں جمہوریت کا بنیادی اصول یعنی عوام کی مرضی کلی طور پر کہیں بھی نافذ نہیں۔ امریکہ کے صدر کوحکومتی پالیسیوں میں ویٹو کا حق دینا بادشاہت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ وہ ایک مخصوص عرصہ کیلئے صدر کو تفویض کیا جاتا ہے۔[۵۴]

خلافت کے اصول و قواعد میں اختلاف کی ایک بڑی وجہ ایک ایسے مرتب دستور کی نادستیابی تھی جس میں حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر دستور سازی کی گنجائش ہوتی۔ خلفائے راشدین نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں اسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جو امت کے حق میں کچھ بہتر ثابت نہ ہوا۔ یہ ایک جسارت ضرور ہے لیکن اس سلسلہ میں ان خلفاء کی چوک بہر حال قابل غور ہے۔ خاص طور پر حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں اس کا سنجیدگی سے نوٹس لینے کی ضرورت تھی۔ خلفاء راشدین کا اس طرف عدم دھیان ایک بھول تھی، دلیل سے خالی نہیں۔ اللہ نے قرآن صرف نازل نہیں کیا بلکہ اسے تحریر کرنے کو بھی کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سیاسی دستور کو تحریر کرنے کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا۔ خلفاء راشدین نے قرآن کی کتابت کی طرف خاص توجہ کی لیکن سیاست کے ضابطوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتب کرنے سے عملی طور پر گریزاں رہے، ان کے فکر میں یہ بات تھی یا نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

پس اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ مسلمان اس معاملہ میں صرف دل پر بھروسہ نہ کرتے اور یہ بھی نہ کرتے کہ بات صرف خلیفہ اور خدا کے درمیان رہنے دیتے بلکہ ایک ایسا نظام مرتب کرلیتے جو تحریری شکل میں حکومت کی مجمل اور مفصل حدود پر مشتمل ہوتا۔ لیکن اول سے آخر تک اس بات سے گریز برتا گیا جس کا لامحالہ نتیجہ سیاسی عدم استحکام ٹھہرا جو اقتدار سے محرومی پر منتج ہوا۔

حوالہ جات

۱- عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمہ کتاب العبر (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۳ء) ص ۲۰۵۔

۲- ایضاً، ص ۲۱۲، ابن خلدون نے اس سلسلہ میں ایک طویل بحث کی ہے۔

۳- آئی ایچ قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۸) ص ۲۳۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں خلفائے بنی عباس کے وہ مکتوبات پڑھنے کے لائق ہیں جو عباسی دربار کے ذہین سفیروں کے قلم کی اختراع تھے۔ ان مکتوبات میں دلائل کو کمال ذہانت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے جس میں عباسیوں کے خلیفۃ الرسول ہونے کو بالواسطہ طور پر جواز بخشا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مکتوب احمد بن یوسف نے رسالۃ الخمیس میں رقم کیا ہے۔ دیکھئے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۵۸ء) ص ۱۲۳۔

۴- علامہ سیوطی نے اس روایت کو کہ خلافت کا امر بنی عباس میں رہے گا کئی حوالوں سے نقل کیا ہے لیکن ہر ایک میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہے۔ ملاحظہ کیجئے، جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء (ترجمہ) (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۳ء) ص ۵۶۔

۵- عباسیوں کے طرفدار علماء محض درباری حیثیت کے نہ تھے۔ امام غزالی جیسے مجتہد قریشی کے علاوہ عباسی ہونے کو بھی خلافت کی شرائط میں سے قرار دیتے ہیں، دیکھئے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۔ بحوالہ احیاء العلوم۔

۶- کیونکہ امام کی تقرری نص سے ہوتی ہے اسی لئے امامت شیعہ کا اصول دین قرار پایا، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۴ (لاہور: دانش گاہِ پنجاب، ۱۹۷۳ء) ص ۱۰۰۶ تا ۱۰۱۱۔

اسلامک انسائیکلو پیڈیا میں یہی رائے امویوں کے بارے میں بھی قائم کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو الٰہی طاقت (divine power) کا مظہر سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں بنیاد حجاج بن یوسف کے ایک خطبے کو بنایا گیا ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ عبدالملک کو اللہ نے لوگوں پر حاکم مقرر کیا ہے، دی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(لائیڈن :ای۔ جے۔ برل، ۱۹۸۳ء)ص۹۳۸۔ لگتا ہے کہ مقالہ نگار مابین السطور بیان کیے گئے مشیت ایزدی کے تصور کو نظر انداز کر گئے ہیں جو کہ خطیب کا اصل مقصود تھا۔ اس کی مزید تردید اس بات سے ہوتی ہے کہ عہد بنی امیہ میں وقوع پذیر ہونے والے نزاعات میں خلفائے بنی امیہ نے کبھی اس طرح کا تاثر قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لہٰذا الٰہی حق (divine right) کا دعویٰ عباسیوں سے شروع ہوا اور اس کی نوعیت بالواسطہ تھی۔ جبکہ براہ راست حق کو علویوں نے اختیار کیا۔

۷۔ اس سلسلہ میں ایک تفصیلی بیان ابن خلدون کا ہے ،دیکھئے حوالہ سابقہ، ص۱۸۰۔

۸۔ سیاست سے ماقبل کے معاشرے کے متعلق مختلف مفکرین کی رائے کا ایک جامع بیان اشتیاق حسین کا ہے۔ دیکھئے ،قریشی، حوالہ سابقہ،ص۴۰۔

۹۔ محمد ابو زہرہ مصری، *اسلامی مذاہب*، مترجم :غلام احمد حریری(فیصل آباد:ملک سنز تاجران کتب،سن ندارد) ،ص ۴۹۔

۱۰۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے، حوالہ سابقہ، ص۴۶۔

۱۱۔ قریشی، حوالہ سابقہ، ص۲۵۔

۱۲۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم جلد۵(لاہور: مکتبہ نعمانیہ،۱۹۸۱)ص۱۱۶۔

۱۳۔ ایس ایم اکرام، *مسلم رول ان انڈیا اینڈ پاکستان* (لاہور:اے ایچ پبلشرز، ۱۹۹۷ء)ص۹۲،اس سلسلہ میں ایک مبالغہ آمیز بیان امیر خسرو کا ہے۔

۱۴۔ مسلم، حوالہ سابقہ، ص۱۰۹۔

۱۵۔ ابن خلدون، حوالہ سابقہ، ص۱۸۲۔

۱۶۔ شبلی نعمانی، *الفاروق* (لاہور:اسلامی اکادمی، ۱۹۹۷ء)ص۶۴، اس سلسلہ میں یہ روایت قابل غور ہے کہ آنحضرتﷺ کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے ،لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسولﷺ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرتﷺ کی ظاھری حالت بالکل سنبھل گئی تھی ،حضرت علیؓ نے کہا، خدا کے فضل سے آپﷺ اچھے ہوگئے ہیں'۔ حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا،'خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے ،میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسولﷺ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس قدر متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسولﷺ سے پوچھ لیں کہ آپﷺ کے بعد منصب کس کو حاصل ہوگا ،اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو آپﷺ ہمارے حق میں وصیت فرمادیں گے'۔ حضرت علیؓ نے کہا،'میں نہ پوچھوں گا کیونکہ پوچھنے پر اگر آنحضرتﷺ نے انکار کردیا تو آئندہ کوئی امید باقی نہ رہے گی'۔ اس روایت کو ابن خلدون نے بھی ولیعہدی کی بحث میں بیان کیا ہے، دیکھئے، حوالہ سابقہ،ص۱۹۹۔

۱۷۔ اس سلسلہ میں ایک مدلل بحث ڈاکٹر حمیداللہ نے کی ہے، دیکھئے، حمیداللہ ،دی پرافٹس اسٹیبلشنگ اے سٹیٹ اینڈ ہز سکسیشن (اسلام آباد:پاکستان ہجرا کونسل، ۱۹۸۸ء)ص۱۵۵۔

۱۸۔ *دی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام*، جلد۳، حوالہ سابقہ، ص۱۱۶۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹- ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک ،جلد۶(بیروت :موسستہ الاعلمی للمطبوعات، سن ندارد)ص۱۹۵۔

۲۰- محمد ابن سعد(مترجم)، طبقات الکبریٰ جلد۵(کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء)ص۱۲۱۔

۲۱- دی *انسائیکلوپیڈیا آف اسلام*، جلد۳، حوالہ سابقہ، ص۱۱۶۵۔

۲۲- ایضاً، جلد۲، ص۸۵۱۔

۲۳- ایضاً، ص۱۱۶۴۔

۲۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، *تاریخ اسلام*، جلد۱(اسلام آباد : نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء)ص۲۱۰۔

۲۵- ایضاً،۳۷۱۔

۲۶- *انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس* ،جلد۷(نیو یارک: چارلز سکرائبنر ز سنز، ۱۹۵۸ء)ص۷۰۹ Modern concept۔

۲۷- ایضاً۔

۲۸- ایضاً۔

۲۹- ایضاً۔

۳۰- ابن خلدون، حوالہ سابقہ، ص۲۰۰۔

۳۱- صلاح الدین یوسف، *خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت*(لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ۱۹۸۵ء)ص۴۱۹۔

۳۲- قریشی، حوالہ سابقہ، ص۵۲۔

۳۳- اس سلسلہ میں ابن تیمیہ" ،جو اپنے عہد کے شریعت اور اصول کے مقتدر عالم تصور کئے جاتے ہیں اپنے زمانے کی سلطانیت کو مشورے کے حوالے سے اس لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ امیر، امراء اور علماء پر مشتمل تھی جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے ،حوالہ سابقہ، ص ۳۰، بحوالہ ہنری لاونسٹ ۔

۳۴- ندوی، حوالہ سابقہ، ص۱۴۶۔

۳۵- مسلم، حوالہ سابقہ، ص۱۴۰۔

۳۶- ایضاً، ص۱۳۲۔

۳۷- یہ مسئلہ بھی اپنے اندر اختلاف رکھتا ہے۔ اطاعت معروف میں ہے۔ اگر خلیفہ وقت کو، اس وقت کہ جب وہ غلطی سے مبرا ہو، قتل کیا جارہا ہو تو اس وقت لڑائی سے ہاتھ روکنا خلیفہ کے حکم پر کیسے درست ہوگا۔ لامحالہ یہی ایک بات رہ جاتی ہے کہ عنصر صحابہؓ ہی عثمانؓ سے مطمئن نہ تھا۔ فی الحال یہ نکتہ دلیل سے خالی ہی نظر آئے گا۔ اس کا صحیح اندازہ طبری کے مکمل بیان کو پڑھنے سے ہوتا ہے۔

۳۸- ابن خلدون، حوالہ سابقہ، ص۲۰۲

۳۹- ابن سعد ،حوالہ سابقہ، جلد ۲، ص۱۶۵

۴۰- ایضاً، ص۱۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۱- قتل کی پہلی مثال یزید بن ولید بن عبدالملک کی ہے، اس کے باوجود کہ وہ حکومت سے محروم ہو چکا تھا اسے قتل کرنا ضروری خیال کیا گیا۔ عباسی دور میں یہ روایت مضبوطی سے جڑ پکڑ گئی اور بہت سے خلفاء کو ہٹانے کے لئے انہیں قتل کرنا پڑا۔ اس سے کمتر سزا آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر بیکار کرنے کی تھی جو کہ ساسانی عہد کی روایت تھی۔

۴۲- مسلم، جلد ۱، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۸۔

۴۳-

۴۴- اس سلسلہ میں ابوالکلام آزاد نے ایک اچھی رائے قائم کی ہے۔ انہوں نے عہدے کے طلب کرنے سے متعلق روایت کا تجزیہ بغاوت کے ضمن میں کیا ہے کہ اگر نااہلوں کی حکومت کو تسلیم کرلیا جائے اور اہل اپنا حق نہ جتائیں تو اس سے ملک میں ہونے والا کشت وخون اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گھمبیر صورتِ حال سے بچا جاسکتا ہے۔ گو نااہلوں کو مسند پر رہنے دینے سے بہت سی خرابیاں بھی وجود میں آتی ہیں اور انہیں خرابیوں کے پیشِ نظر علم بغاوت بلند کیا جا تا ہے کہ شاید اہل لوگوں کی کامیابی کا راہ ہموار ہوجائے۔ اس طرح سے دوصورتیں سامنے آتی ہیں۔

اطاعت کی صورت میں۔ ۔مصلحت کا بقا وحصول لیکن خرابیوں کا امکان

بغاوت کی صورت میں۔ ۔خرابیوں (کشت وخون) کا وقوع مگر مصالح کا امکان

حدیث کی رو سے اسلام نے پہلی صورت کو ترجیح دی ہے ،یعنی مصالح کے امکان پر ان کے وقوع کو ترجیح دی اورحکومت پر اپنا حق جتانے سے منع کر کے دوسری راہ کو مسدود کردیا۔ اگرچہ ایک نااہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجائے۔ اسلام نے ملک وشرع کی حفاظت کو مقدم رکھا ،جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے اور نااہل و فاقد الشرائط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، *مسئلہ خلافت* (لاہور: کتاب خانہ، سن ندارد) ص۔ ۲۰۔

۴۵- مسلم، جلد ۵، حوالہ سابقہ، ص ۱۴۲۔

۴۶- سیوطی، حوالہ سابقہ، ص۔ ۴۵۔

۴۷- ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، *النظم الاسلامیہ*، مترجم: علیم اللہ صدیقی (کراچی: دارالاشاعت، سن ندارد) ص۔ ۶۷۔

۴۸- مسلم، حوالہ سابقہ، ص ۱۱۰۔

۴۹- سید امیر علی، *دی سپرٹ آف اسلام*، (کراچی: پاکستان پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء) ص ۳۲۸۔

۵۰- معنی میں جمہوریت (democracy) غیر طبقاتی (Classless) اور بردبار (tolerant) معاشرہ ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری۔

۵۱- ابن خلدون، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۸۔

۵۲- اس سلسلہ میں تفصیلی اور تحقیقی بیان ڈاکٹر حمیداللہ کا ہے جنہوں نے اپنے خطبات میں رسول اللہ ﷺ کی سیاست کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۳- ڈیوڈ رابرٹ سن، دی پینگوئین ڈکشنری آف پالیٹکس (لندن: پینگوئین بکس، ۱۹۸۵ء)ص۸۰۔

۵۴- انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ،حوالہ سابقہ ،ص۱۱۷،عبارت اسطرح سے ہے۔

Since the 17th century there has been a tendency to regard kingship a survival, unsuitable to a democratic political society. American and French have subtituted a president of the republic. This involves once more the question of terminology. The president with a veto or a casting vote is a king in effect; the king who may only advise is not a king in effect.

عہد حاضر کی صورت حال بھی اس پر صاد ہے کہ افغانستان اور عراق میں امریکہ کی کاروائیوں کا جواز صرف امریکی صدر کے پاس تھا ،عوام کی مرضی بہر حال اس کے خلاف تھی۔ یہی حال امریکہ کے یورپی اتحادیوں کی حکومتوں کا ہے کہ وہ عوام کی مرضی کیخلاف عراق پر جنگ مسلط کئے ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com